

## اردو شاعری موازنہ و مسابقت: علی عباس حسینی

### Urdu poetry Comparison and Competition: Ali Abbas Hussaini

<sup>iii</sup> شکیل حسین سید

<sup>ii</sup> ڈاکٹر امتیاز احمد

<sup>i</sup> سیف الرحمن

#### Abstract:

*Ali Abbas Hussaini is known as a short story writer and a critic of fiction. However, his best work is the defense of Urdu poetry, in which he Analyzed the critique of Urdu Poetry and all the reforms movements in Urdu Literature. Ali Abbas Hussaini has quoted from the poetry of the subcontinent poets that Urdu Poetry as a source of meaning in the variant cultures of the Middle East. This relationship was not possible without the Urdu language. Consequentially, we have become the descendants of all the civilization and culture of middle Asia.*

**Keywords:** Urdu Poetry, Critics, Movements, Ideas, Ali Abbas Hussaini, Comparison.

علی عباس حسینی کی پہچان بطور افسانہ نگار اور فکشن کے نقاد کی ہے۔ اُن کا تنقیدی شاہکار "اردو شاعری کا دفاع" میں شاعری کی صنفِ سخن کے متعلق ناقدین و معترضین کے نظریات کا غیر جانبدارانہ تجزیہ پیش کیا گیا ہے اور اُن تمام ناقدین کے اعتراضات اردو شعر و ادب کی اُن تمام اصلاحی تحریکات جو ایک صدی سے مختلف نظریات کی حامل تھیں، اُن کا نفاذ نہ لیا گیا ہے۔ اُن کی یہ تنقیدی تخلیق سامنے آجائے پر ہم اُن کی تنقیدی صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہوئے وقت کے اس اہم تقاضے کو بھی محسوس کر سکتے ہیں جو ہماری اردو شاعری جیسی بلند و عمیق نقیدات کے لیے نظر براہ ہیں۔

**کلیدی الفاظ:** اردو شاعری، ناقدین، تحریکات، نظریات، علی عباس حسینی، موازنہ، مسابقت۔

شاعری ہر مہذب معاشرے میں اہمیت کی حامل رہی ہے تاہم شاعرانہ تخلیقات کو جب افادیت اور اخلاقیات کے پیمانوں سے ناپا گیا تو تو افلاطون (مثالی ریاست میں شاعر کی شمولیت نا منظور) سے لے کر حالی تک اس کی اہمیت و افادیت پر سوال اٹھائے جاتے رہے ہیں۔ ۱۸۵۷ء کی پہلی جنگ آزادی میں ملکی سورماؤں کی شکست کے بعد جب جنوبی ہند کی طرح پورے شمالی ہندوستان پر انگریزوں کا تسلط ہو گیا اور عنان حکومت کمپنی کی جگہ وکٹوریہ کے ہاتھ میں آئی تو حاکموں نے محض ظاہری غلبے کو کافی نہ سمجھا بلکہ ہمارے دماغوں کو بھی مفتوح بنانا طے کیا انھوں نے سارے ملک میں مغربی تعلیم رائج کی اور اس دھن میں لگ گئے کہ ہمیں اپنے رنگ میں رنگ کر مہذب بنا دیں۔ انگریزی کی ریس کی خواہش گھنگھور گھٹا کی طرح ساری فضا پر چھا گئی۔ ہم نے سیاست، تمدن، فوجی تنظیم میں بلکہ علوم و فنون ادب و شاعری میں بھی اپنے کو تہی داماں و بے سروسامان تسلیم کر لیا فاتحوں کی عیارانہ حرافت اور ہماری ذہنی مفتوحیت نے ہمیں اس امر کا یقین دلایا کہ ہمارا خزانہ ادب صرف کا سد سکوں سے بھرا ہے اور ہمارا گنجینہ اشعار سراسر جھوٹے موتیوں کا انبار ہے چنانچہ

<sup>i</sup> ایم۔ فل اسکالر، شعبہ اردو، انسٹی ٹیوٹ آف سدرن پنجاب، ملتان۔

<sup>ii</sup> سینئر ہیڈ ماسٹر، گورنمنٹ ہائی سکول، جگو والا، ملتان۔

<sup>iii</sup> اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، گورنمنٹ ملت گریجویٹ کالج، ملتان (Corresponding Author)

محمد حسین آزاد اور خواجہ الطاف حسین حالی جیسے صاحبانِ نظر بھی اُردو کی کہتری اور انگریزی کی مہتری کے قصیدے لکھنے لگے۔

مسعود حسن رضوی ادیب (۱۸۳۹ء-۱۹۵۷ء) نے بھی اس افسوس ناک ذہنیت اور اُردو شاعری کی تحقیر کے اسباب یوں بیان کیے ہیں:

ایشیائی اور یورپی تمدن کے تصادم نے ہماری طبیعت کو نیم مشرقی نیم مغربی بنا دیا اپنے ادب اور اہل یورپ کے اقبال نے ہمارے دل پر یورپ کی برتری کا نقش بٹھا دیا انگریزی مزاوت اور اُردو سے غفلت نے ہم کو اُردو شاعری کے صحیح مذاق سے بیگانہ کر دیا جذبات کی افسردگی، طبیعت کی دورنگی یورپ کی فضیلت کا اعتقاد اور مذاق سخن کی نادرستی ان سب کے مجموعی اثر نے شعر کے حسن پر غلط فہمیوں کا پردہ ڈال دیا اور اُردو شاعری کو بالخصوص ہماری نگاہوں میں سبک کر دیا۔<sup>۱</sup>

الطاف حسین حالی (۱۸۳۷ء-۱۹۳۱ء) نے اُردو شاعری کی اصلاح کی غرض سے اپنے دیوان کا جو محرکتہ آراء مقدمہ مقدمہ شعر و شاعری کے عنوان سے لکھا جس میں اُردو شاعری کے نقائص کو اجاگر کرنا اور اصلاح کرنا مقصود تھا، لیکن انھوں نے الفاظ و خیالات کے ساتھ مضامین کو ایرانی قوم کی تقلید قرار دیا:

ہماری موجودہ شاعری کا مدار کل الوجود نہ صرف الفاظ و عبارت بلکہ خیالات و مضامین میں بھی محض ایرانی قوم کی تقلید ہے۔ جب کہ ہمارے ہاں یہ بات بالاتفاق تسلیم کر لی گئی ہے کہ ”احسن الشعر کذبہ“ تو ہم کو اپنی شاعری کی موجودہ حالت میں اصلیت اور جوش دونوں سے دست بردار ہونا چاہیے۔<sup>۲</sup>

محمد حسین آزاد (۱۸۳۰ء-۱۹۰۱ء) نے بھی فارسی زبان کی تقلید، مبالغہ آمیزی اور استعاروں اور تصنع کا دفتر قرار دیا:

تعب ہے کہ اس نے اس قدر خوش ادائی اور خوش نمائی پیدا کی یہ ہندی بھاشا کے خیالات جو خاص اس ملک کے حالات کے بموجب تھے انھیں بھی چھوڑ دیا۔ چنانچہ خاص و عام پیسے اور کوئل کی آواز اور چپا چیلی کی خوشبو کو بھول گئے۔ ہزار و بلبل اور نسرین و سنبل جو کبھی دیکھی بھی نہ تھی ان کی تعریف کرنے لگے۔ جو کچھ ہے وہ اتنا ہی ہے کہ فارسی زبان کے پروسے سے اڑی۔ لفاظی اور مبالغوں کے زور سے آسمان پر چڑھ گئی۔ وہاں سے جو گری

تواستعاروں کی تہہ میں ڈوب کر غائب ہو گئی۔<sup>۳</sup>

نواب امداد امام اثر (۱۸۳۹ء-۱۹۴۳ء) جو کہ حالی اور آزاد سے زیادہ وسیع المطالعہ تھے، سنسکرت اور مغربی زبانوں سے واقف تھے، نے اُردو شاعری پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ ملکی تقاضے جو کہ سنسکرت شاعری کا انداز تھا، نے پیدا نہیں کیا۔ کاشف الحقائق جلد دوم میں لکھتے ہیں:

اُردو کے شعر افارسی کے شعرا کے ہمیشہ متبع رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اُردو شاعری باوجود اس کے کہ اس کو فروغ ہندوستان میں ہوا، سنسکرت کی شاعری سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی، حالانکہ تقاضائے ملکی یہی تھا کہ اُردو کی شاعری سنسکرت کی شاعری کا انداز پیدا کرتی۔<sup>۴</sup>

سلیم پانی پتی (۱۸۳۹ء-۱۹۷۲ء) نے شاعر کو نقال اور اُس کی شاعری کے مصنوعی، غیر حقیقی ہونے اور اُردو شاعری کو محض قافیہ پیمائی قرار دیا:

شاعر کے دل کی اصلی کیفیت کا اظہار نہیں ہوتا اور اس کی شاعری کے مصنوعی اور غیر حقیقی ہونے کی خبر دیتا ہے اور بتاتا ہے کہ شاعر فقط نقال ہے۔ اس کی شاعری اس کے دل کی آواز نہیں۔ وہ مختلف خیالات کو، جو شعرا نے زمانہ سابق میں وقتاً فوقتاً بیان کیے ہیں، بغیر اس کے اپنی ذہنیت کے مُسران پر لگاتے، محض نقل و تقلید کے انداز سے بیان کرتا ہے، اور ظاہر ہے یہ شاعری کا سخت عیب ہے۔ اس سے شاعری کی زینت نہیں ہوتی بلکہ تخریب ہوتی ہے۔ یہ شاعری نہیں بلکہ قافیہ پیمائی ہے۔<sup>۵</sup>

عظمت اللہ خاں (۱۸۸۷ء-۱۹۲۷ء) نے اُردو شاعری کے ارتقاء پر گہری نظر ڈالتے ہوئے اس کے سیاسی و سماجی پس منظر کو بھی پیش کیا ہے۔ ان کے نزدیک اُردو شاعری ایرانی شاعری کے ڈھنگ پر منتشر خیالی سے بھری اصلیت سے خالی اور لفظوں کا کھیل ہے:

اسلامی سماج کو سیاسی دق ہو چکی تھی، کریکٹر پیدا نہیں ہو سکتا تھا، دماغ کو لھو کے تیل بن چکے تھے، اُردو بولنے والی آبادی کی رہی سہی سماجی عضو بندی کے انجر پنجر ڈھیلے ہو چکے تھے۔۔۔ اس آب و ہوا اور ایسے کمزور کریکٹر کی آغوش میں اُردو شاعری پلنے اور تربیت پانے لگی۔<sup>۶</sup>

سیماب اکبر آبادی (۱۹۲۸ء-۱۹۵۱ء) اُردو شاعری کو کورانہ تقلید اور مبتذل جذبات کی ترجمانی قرار دیتے ہیں۔ وہ بتاتے ہیں کہ اُردو شاعری کی اساس عربی عروض پر قائم ہے اور موضوعات ایرانی شاعری کے مقروض منت ہیں، جب کہ شاعری، بوسہ گیری، وصل و ہجر کی جھوٹی عکاس قیس و لیلیٰ، شیریں فرہاد کے افسانوں کی داستان ہے:

ہماری شاعری کی اساس عربی عروض پر قائم ہے۔ موضوعات ایرانی شاعری کے مقروض منت ہیں۔ ہندوستان کی عام شاعری کو بہ نگاہ تنقید دیکھا جائے تو وہی بوسہ گیری، ہمکناری و ہم آغوش، عالم وصل و ہجر کی جھوٹی عکاسی، داستانیں قیس و لیلیٰ اور شیریں فرہاد کے افسانوں کی جگالی، زاہد و شیخ پر دشنام طرازی، رکیک و مبتذل جذبات کی ترجمان حاصل فکر سمجھی جاتی ہے۔<sup>۷</sup>

جوش ملیح آبادی (۱۸۹۸ء-۱۹۲۸ء) جو کہ شاعر انقلاب ہیں، اُردو شاعری کو رائیوں کی طرح بین کرتی اور بوڑھیوں کی طرح چھاتی بیہوشی قرار دیا:-

میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جواب دیجئے، کیا ہم ان رائیوں کی طرح بین کرتی اور سوگوار بوڑھیوں کی طرح چھاتی بیہوشی ہوئی جھولے آنسوؤں کی شاعری سے طوفانی سمندروں کے تڑپتے ہوئے سینوں پر جہاز چلا سکتے ہیں؟<sup>۸</sup>

کلیم الدین احمد (۱۹۰۹ء-۱۹۸۳ء) مغربی ادب اور مغربی تنقیدی نظریات سے متاثر تھے۔ انھوں نے اُردو شاعری کو فارسی کے سائے میں پرورش پانے والی اور فارسی بحور اور قواعد و عروض کی متبع کہا اور فرسودہ خیالات کی حامل قرار دیا:-

اُردو شاعری نے فارسی کے سائے میں پرورش پائی۔ اسے کورانہ تقلید ایسی پسند آئی کہ یہ گویا ہمیشہ کے لیے فقیر بن گئی۔ فارسی بحور اور قواعد و عروض کی تقلید تو لازمی تھی، تعجب یہ ہے کہ ان بحور و قواعد میں کبھی کسی کو تغیر یا اضافہ کا خیال بھی نہ ہوا۔ اسی افتادِ طبیعت کا نتیجہ تھا کہ مختلف بندشیں اور سارے مضامین بھی فارسی سے اخذ کیے گئے۔ دفعتاً وہی فرسودہ خیالات اور پرانے نقوش اُردو شاعری کا سنگ بنیاد بن گئے۔<sup>۹</sup>

اُردو ادب میں علی عباس حسینی (۱۸۷۹ء-۱۹۶۹ء) کی پہچان بطور افسانہ نگار اور فکشن کے نقاد کی

ہے۔ ان کی پہلی تنقیدی کتاب ناول کی تاریخ و تنقید ان کی ناقدانہ بصیرت کی غماز ہے۔ ان کا تنقیدی شاہکار اُردو شاعری کا دفاع اصنافِ سخن کی تقسیم کے ساتھ سات ابواب پر مشتمل ہے۔ ہر صنفِ سخن کے متعلق ناقدین و معترضین کے نظریات پیش کر کے علی عباس حسینی نے غیر جانبدارانہ تجزیہ پیش کرتے ہوئے ان تمام ناقدین کے اعتراضات کے جواب دیے، نیز اُردو شعر و ادب کی ان تمام اصلاحی تحریکات جو ایک صدی سے مختلف نظریات کی حامل تھی، ان کا ناقدانہ جائزہ بھی لیا۔ محمد طفیل کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

چنانچہ اب دو کتابوں کو مکمل کر رہا ہوں۔ ایک وہ جو کلیم الدین احمد کے دیوان گلِ نغمہ کے متعلق ہو گی اور دوسری وہ ہو گی جس میں ان تمام اعتراضات کے مسکت جواب مع مثالوں کے یوں ہوں گے جو کلیم صاحب، ان کے ہم خیالوں اور ان کے پیش روؤں نے اب تک اُردو شاعری پر کیے ہیں۔ گلِ نغمہ سے متعلق حصہ تو مکمل ہو چکا ہے لیکن اپنی شاعری کی خوبیوں والا حصہ بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔ سارے اصنافِ سخن، غزل، قصیدہ، مثنوی، مرثیہ، مسدس، محض، رباعی، مثلث، قطعہ، گیت، نظم، ترکیب، ترجیع بند، مستزاد وغیرہ وغیرہ جن چیزوں کو کلیم نے صرف 'مشق' کے نام سے یاد فرمایا ہے، ان میں ہر صنف سے بہتر سے بہتر مثالیں پیش کرنا چاہتا ہوں تاکہ ملامت کرنے والوں ہی کا دندان شکن جواب نہ ہو جائے بلکہ اُردو کے حال و مستقبل کے طالب علم کے لیے وہ کتاب ایک خزانے کا کام دے سکے۔<sup>۱۰</sup>

اُردو شاعری نے یقیناً عروض میں فارسی شاعری کا اتباع کیا۔ سوال یہ ہے کہ یہ اتباع قابلِ طعن کیوں؟ علی عباس حسینی لکھتے ہیں:

یہ اعتراضات بے جا ہیں، کیوں کہ مسلمان حکمرانوں کے عہد میں جو سرکاری یا غیر سرکاری مدارس قائم تھے، ان کا نصاب عربی و فارسی کتب پر مشتمل تھا۔ اس نصاب میں فارسی و عربی صرف و نحو کے ساتھ عروض بھی پڑھایا جاتا تھا۔ اس لیے جب پڑھے لکھے لوگ شاعری کی طرف مائل ہوئے، تو انھوں نے اس عروض سے کام لیا۔"

یہ مسلمہ امر ہے کہ ہر ملک میں وہی ادب فروغ پاتا ہے جس کے سلاطین و امرا سرپرستی کرتے ہیں۔ اُس وقت کے سلاطین و صاحبانِ حشمت بھی اگر خود طبع آزمائی کرتے تھے تو وہ فارسی زبان تھی۔ اس لیے اگر شاعر کو اپنی شاعری معاش کا ذریعہ بنانا تھا تو فارسی اسالیب کو اختیار کیے بغیر کوئی چارہ نہیں تھا۔ یہ بھی

غور کرنے کی بات ہے کہ اگر اس نے فارسی کی تقلید نہ کی ہوتی تو کیا آج اردو شاعری کا ہندوستان میں وجود بھی ہوتا؟ دوسرا اعتراض کہ اردو شاعری نے ملکی تلمیحات و تشبیہات کے استعمال سے اجتناب کیا؛ علی عباس حسینی کے مطابق یہ معترضین کی کمی مطالعہ کی دلیل ہے:-

اردو شاعری نے اپنے ملک کے تاریخی واقعات، اس کی حکایتوں، قصوں، رزمیہ و عشقیہ داستانوں سے ہرگز اغماض نہیں برتا۔ اس نے گیتا کا بھی منظوم ترجمہ پیش کیا، شکتیلا کا ڈراما نظم کیا اور کئی مہا بھارتیں اور رامائن بھی لکھیں۔ منشی طوطا رام شایاں نے مہا بھارت لکھی، منشی شکر دیال فرحت نے رامائن، عصر حاضر میں جناب منور لکھنوی اور جناب جگر ریلوی صاحب اردو کو اکثر سنسکرتی قصوں سے مالا مال کر رہے ہیں۔<sup>۳</sup>

نواب امداد امام کا یہ اعتراض بے اثر ہو جاتا ہے کہ ”ابھی تک اردو کے کسی شاعر نے اپنی فکر سے کوئی اصلی مثنوی جو کسی واقع بزرگ پر مشتمل ہو، نہیں لکھی ہے۔“ خوشتر، شایاں، فرحت کی مثنویوں کے قسے یقینی طور پر ماخوذ ہیں لیکن یہ مثنویاں سنسکرت اور ہندی مثنویوں کے ترجمے نہیں ہیں بلکہ بطور خود اردو کی اصلی مثنویاں ہیں۔ علی عباس حسینی اس کی وضاحت یوں کرتے ہیں:-

اردو میں ہندی اور ملکی بھاشا کے زیر اثر دکن میں غزلیہ شاعری بالکل ہی ہندی انداز کی ہے۔ ہندی شاعری میں اظہارِ عشق ہمیشہ عورت کی طرف سے ہوتا ہے، دکنی شعر امیں سے متعدد نے اپنی غزل گوئی کا یہی ڈھنگ اختیار کیا تھا۔ ان کے کلام اس عہد کے کسی ہندوستانی زبان کے شاعروں کے انھیں کسی سے پیچھے نہ پائیں گے۔<sup>۳</sup>

اردو شاعری کے اس پہلو پر اعتراض کرنے والے ہماری شاعری میں ملکی بھاشاؤں کے زیر اثر ”گیت“، ”لوک گیت“، ”سیکڑوں عوامی مرثیے“ جو عشرہ محرم میں ”دہا“ کے نام سے گائے جاتے ہیں اور اجتماعی طور پر مقبول فلمی گانے کیوں بھول جاتے ہیں یہ اصناف سخن ملکی بھاشاؤں کے زیر اثر وجود میں آئیں:

تعب ہوتا ہے کہ اردو شاعری کے مقلد فارسی ہونے کی دلیل میں گل و بلبل، صنوبر، شمشاد و چنار کے نام بار بار لیے جاتے ہیں۔ معترض یہ بھول جاتے ہیں کہ عربی، ایرانی، افغانی تاجری نہیں بلکہ ان نسلوں کے فاتح اور سلطان بھی اردو شاعری کے وجود میں آنے سے تقریباً چھ سو برس پہلے ہندوستان میں آچکے تھے اور وہ اپنے ساتھ فارسی و عربی و ادب ہی نہ لائے تھے بلکہ ان ممالک کے طیور بھی پھل، پھول اور درخت بھی۔۔۔ وسط

ایشیا کی کوئی ایسی چیز نہ تھی جو ہم نے اپنا نہ لی تھی۔ ان ممالک سے منتقل کی جانے والی کوئی شے ایسی نہ تھی جو ہمارے ملک میں نہ آگئی تھی اور جو ہمارے لیے اجنبی یا غیر کی چیز باقی رہ گئی تھی۔ اس لیے یہ اعتراض کہ گل و بلبل، سرود سنبل ایرانی ہیں؛ ہندوستان کی تاریخ سے بے خبری کی دلیل ہے۔<sup>۱۳</sup>

اور جہاں تک مبالغے کی بات ہے تو علی عباس حسینی کے مطابق مبالغہ سے مشرق اور مغرب کی زبانیں نہیں بچ سکیں۔ تشبیہ و استعارہ شاعری کی جان ہیں اور اگر غور فرمائیں تو ان دونوں کی بنیاد مبالغہ ہی میں ہے۔ یہ اعتراض کہ شاعر کا عشق مشاہدات اور تجربات نقلی ہیں کہ مشاہدات و تجربات شاعر بذاتِ خود نہیں کرتا، نہ اس کا مشاہدہ ذاتی ہوتا ہے:

یہ اعتراض بھی کچھ عجیب طرح کا ہے کہ اس کا عشق ہی اصلیت سے خالی ہے اور اس کے مشاہدات و تجربات بھی اپنے نہیں ایرانیوں کے ہیں۔ مجھے نہیں معلوم وہ کونسی شے ہے جو ایرانی اور غیر ایرانی عشق میں باامتیاز ہے اور جس کے ذریعہ یہ معین کر لیا جاتا ہے کہ یہ اصل عشق ہے اور یہ صرف ایران کی نقل۔ اگر سوانح حیات پر نظر کی جائے تو اردو کے ممتاز شعر میں اکثر کے سینے عشق حقیقی یا مجازی عشق سے داغ دار تھے۔ میر تقی میر، میر درد، غالب، مومن، حسرت، آرزو، جگر، میں کس کا عشق نقلی ہے اور ان میں سے کس کس کے تجر بے مشاہدے محض اپنے نہیں ایرانی ہیں۔۔۔ اردو شاعری پر اعتراض وارد کرنے کے لیے محض متشاعروں کا کلام پیش نظر رکھنا قرین انصاف نہیں۔<sup>۱۴</sup>

معتزین کو اردو زبان کے ارتقاء کی تاریخ کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے۔ اردو شاعری میں بھی بڑی کمیاں، بڑے نقائص ہیں، جن کا رفع کرنا اردو شعر کا فرض اولین ہے، لیکن اردو شاعری کی بدولت آج ہم صرف ایرانی تہذیب و ثقافت ہی کے نہیں بلکہ عرب اور وسط ایشیا کی تہذیب و ثقافت کے بھی ورثہ دار بن گئے ہیں:-

اردو کا احسان یہ ہے کہ اس نے ایک زبان کی شاعری اساس عرب و ایران کے عروضات پر رکھی۔ یوں اس نے ہندوستانیوں کو اپنی ایک زبان کے ذریعے اس سارے ثقافتی ورثے سے ان ساری روایتوں، تلمیحوں، تشبیہوں، استعاروں سے روشناس کر دیا جو ایران کو ہزار ہا برس کی تہذیب نے عطا کیے تھے۔ اردو نے تقلیدِ فارسی کی بدولت صرف ایرانی

تہذیب و ثقافت کو نہیں اپنایا بلکہ اس نے بہت کچھ عرب اور وسط ایشیاء کے دوسرے ممالک سے بھی حاصل کیا۔ یوں ہم اُن کی تہذیب و ثقافت کے ورثہ دار بن گئے۔<sup>۱۹</sup>

علی عباس حسینی کی اس تنقیدی تخلیق کے سامنے آجانے پر ہم اُن کی تنقیدی صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہوئے وقت کے اس اہم تقاضے کو بھی محسوس کر سکتے ہیں، جو ہماری اُردو شاعری جیسی بلند و عمیق تنقیدات کے لیے نظرِ براہ ہیں، اور اُردو شاعری کی بدولت ہم آج وسط ایشیاء کی ساری ثقافتوں سے کسی قسم کی اجنبیت محسوس نہیں کرتے۔ اس نے تمام ہمسایہ ملکوں اور ہمارے درمیان ایک ایسا رشتہ قائم کر دیا جو کسی دوسری زبان کے ذریعے ممکن نہیں تھا۔

### حوالہ جات

- ۱۔ مسعود حسن رضوی ادیب، ہمدانی شاعری (دہلی: ایجوکیشنل بکٹ ہاؤس، ۲۰۰۸ء)، ۹۷۔
- ۲۔ الطاف حسین حالی، مقدمہ شعر و شاعری (لاہور: خزینہ علم و ادب، ۲۰۰۱ء)، ۷۰۔
- ۳۔ محمد حسین آزاد، آبِ حیات (لاہور: علم و عرفان پبلشرز، ۲۰۰۶ء)، ۲۲۔
- ۴۔ امداد امام اثر، کاشف الحقائق (دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان، ۱۹۹۸ء)، ۳۴۹۔
- ۵۔ سلیم پانی پتی، افاداتِ سلیم (لاہور: شیخ مبارک علی سنز، ۱۹۹۸ء)، ۴۱۔
- ۶۔ عظمت اللہ خان، سریلے بول (حیدرآباد: اُردو محل، ۱۹۸۲ء)، ۳۳۔
- ۷۔ سیما اکبر آبادی، کلیمِ عجم (آگرہ: مکتبہ قصر الادب، ۱۹۷۴ء)، ۳۰۔
- ۸۔ جوش ملیح آبادی، مقالاتِ جوش (کراچی: اُردو محل پبلشرز، ۱۹۸۲ء)، ۶۱۔
- ۹۔ کلیم الدین احمد، اُردو شاعری پر ایک نظر (کراچی: اعوان پبلی کیشنز، ۱۹۸۵ء)، ۲۳۔
- ۱۰۔ رابعہ ظفر، ”علی عباس حسینی کے خطوط بنام محمد طفیل (تحقیق و تدوین مع حواشی)“، مشمولہ بنیاد، جلد ۲، شمارہ ۱ (لاہور: لمز یونیورسٹی، ۲۰۱۱ء)، ۲۲۰۔
- ۱۱۔ علی عباس حسینی، اُردو شاعری کا دفاع (کراچی: انجمن ترقی اُردو پاکستان، ۲۰۱۷ء)، ۵۰۔
- ۱۲۔ ایضاً، ۵۴۔
- ۱۳۔ ایضاً، ۷۳۔
- ۱۴۔ ایضاً، ۸۲۔
- ۱۵۔ ایضاً، ۸۷۔
- ۱۶۔ ایضاً، ۹۱۔